**میر تقی میر** 

* 1722-23-1810
* دھلی

اردو کے پہلے عظیم شاعر جنہیں ’ خدائے سخن ‘ کہا جاتا ہے

# اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا

چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا

امیدوار وعدۂ دیدار مر چلے

آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

کب تک تظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں

کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا

اس کے گئے پر ایسے گئے دل سے ہم نشیں

معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا

بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا خجل

اے چشم جوش اشک ندامت کو کیا ہوا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف

اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میرؔ پر

کیا جانیے کہ حال نہایت کو کیا ہو

# اس کا خیال چشم سے شب خواب لے

س کا خیال چشم سے شب خواب لے گیا

قسمے کہ عشق جی سے مرے تاب لے گیا

کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشم گریہ ناک

مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا

آوے جو مصطبہ میں تو سن لو کہ راہ سے

واعظ کو ایک جام مئے ناب لے گیا

نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش

آیا جو سیل عشق سب اسباب لے گیا

میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا

رویا میں اس قدر کہ مجھے آب لے گیا

احوال اس شکار زبوں کا ہے جائے رحم

جس ناتواں کو مفت نہ قصاب لے گیا

منہ کی جھلک سے یار کے بے ہوش ہو گئے

شب ہم کو میرؔ پرتو مہتاب لے گیا

# اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا

لوہو آتا ہے جب نہیں آتا

ہوش جاتا نہیں رہا لیکن

جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا

صبر تھا ایک مونس ہجراں

سو وہ مدت سے اب نہیں آتا

دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش

گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا

عشق کو حوصلہ ہے شرط ارنہ

بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم

پر سخن تا بلب نہیں آتا

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

# الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

حرف نہیں جاں بخشی میں اس کی خوبی اپنی قسمت کی

ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں

بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی

کوسوں اس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

کس کا کعبہ کیسا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام

کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا مے خانے میں

جبہ خرقہ کرتا ٹوپی مستی میں انعام کیا

کاش اب برقعہ منہ سے اٹھا دے ورنہ پھر کیا حاصل ہے

آنکھ مندے پر ان نے گو دیدار کو اپنے عام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے

رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا

صبح چمن میں اس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی

رخ سے گل کو مول لیا قامت سے سرو غلام کیا

ساعد سیمیں دونوں اس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیئے

بھولے اس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا

کام ہوئے ہیں سارے ضائع ہر ساعت کی سماجت سے

استغنا کی چوگنی ان نے جوں جوں میں ابرام کیا

ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی

سحر کیا اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میرؔ کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو

قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

# باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا

پڑھتے کسو کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

سعی و تلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی

صحبت میں علما فضلا کی جا کر پڑھیے گنیے گا

دل کی تسلی جب کہ ہوگی گفت و شنود سے لوگوں کی

آگ پھنکے گی غم کی بدن میں اس میں جلیے بھنیے گا

گرم اشعار میرؔ درونہ داغوں سے یہ بھر دیں گے

زرد رو شہر میں پھریے گا گلیوں میں نے گل چنیے گا

# بارہا گور دل جھنکا لایا

بارہا گور دل جھنکا لایا

اب کے شرط وفا بجا لایا

قدر رکھتی نہ تھی متاع دل

سارے عالم میں میں دکھا لایا

دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش

ایک عالم کے سر بلا لایا

سب پہ جس بار نے گرانی کی

اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

دل مجھے اس گلی میں لے جا کر

اور بھی خاک میں ملا لایا

ابتدا ہی میں مر گئے سب یار

عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میرؔ

پھر ملیں گے اگر خدا لایا

# تا بہ مقدور انتظار کیا

تا بہ مقدور انتظار کیا

دل نے اب زور بے قرار کیا

دشمنی ہم سے کی زمانے نے

کہ جفاکار تجھ سا یار کیا

یہ توہم کا کارخانہ ہے

یاں وہی ہے جو اعتبار کیا

ایک ناوک نے اس کی مژگاں کے

طائر سدرہ تک شکار کیا

صد رگ جاں کو تاب دے باہم

تیری زلفوں کا ایک تار کیا

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا

آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

سخت کافر تھا جن نے پہلے میرؔ

مذہب عشق اختیار کیا

# تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا

خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا

پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں

معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم

یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا

مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر

کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا

اس فصل میں کہ گل کا گریباں بھی ہے ہوا

دیوانہ ہو گیا سو بہت ذی شعور تھا

منعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا

اس رند کی بھی رات گزر گئی جو عور تھا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر

اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا

یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر

میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میرؔ

سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

# تیرا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا

تیرا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا

بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا

گر ہے یہ بے قراری تو رہ چکا بغل میں

دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا

ہیں اس خراب دل سے مشہور شہر خوباں

اس ساری بستی میں گھر ویران ہے ہمارا

مشکل بہت ہے ہم سا پھر کوئی ہاتھ آنا

یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا

ادریس و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے

ان خوں گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا

ہم وے ہیں سن رکھو تم مر جائیں رک کے یکجا

کیا کوچہ کوچہ پھرنا عنوان ہے ہمارا

ہیں صید گہ کے میری صیاد کیا نہ دھڑکے

کہتے ہیں صید جو ہے بے جان ہے ہمارا

کرتے ہیں باتیں کس کس ہنگامے کی یہ زاہد

دیوان حشر گویا دیوان ہے ہمارا

خورشید رو کا پرتو آنکھوں میں روز ہے گا

یعنی کہ شرق رویہ دالان ہے ہمارا

ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے

یک قطرہ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا

نالے میں اپنے ہر شب آتے ہیں ہم بھی پنہاں

غافل تری گلی میں مندان ہے ہمارا

کیا خانداں کا اپنے تجھ سے کہیں تقدس

روح القدس اک ادنیٰ دربان ہے ہمارا

کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آوے

گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا

جی جا نہ آہ ظالم تیرا ہی تو ہے سب کچھ

کس منہ سے پھر کہیں جی قربان ہے ہمارا

بنجر زمین دل کی ہے میرؔ ملک اپنی

پر داغ سینہ مہر فرمان ہے ہمارا

# تیرا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا

تیرا رخ مخطط قرآن ہے ہمارا

بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا

گر ہے یہ بے قراری تو رہ چکا بغل میں

دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا

ہیں اس خراب دل سے مشہور شہر خوباں

اس ساری بستی میں گھر ویران ہے ہمارا

مشکل بہت ہے ہم سا پھر کوئی ہاتھ آنا

یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا

ادریس و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھڑائے

ان خوں گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا

ہم وے ہیں سن رکھو تم مر جائیں رک کے یکجا

کیا کوچہ کوچہ پھرنا عنوان ہے ہمارا

ہیں صید گہ کے میری صیاد کیا نہ دھڑکے

کہتے ہیں صید جو ہے بے جان ہے ہمارا

کرتے ہیں باتیں کس کس ہنگامے کی یہ زاہد

دیوان حشر گویا دیوان ہے ہمارا

خورشید رو کا پرتو آنکھوں میں روز ہے گا

یعنی کہ شرق رویہ دالان ہے ہمارا

ماہیت دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطے

یک قطرہ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا

نالے میں اپنے ہر شب آتے ہیں ہم بھی پنہاں

غافل تری گلی میں مندان ہے ہمارا

کیا خانداں کا اپنے تجھ سے کہیں تقدس

روح القدس اک ادنیٰ دربان ہے ہمارا

کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آوے

گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا

جی جا نہ آہ ظالم تیرا ہی تو ہے سب کچھ

کس منہ سے پھر کہیں جی قربان ہے ہمارا

بنجر زمین دل کی ہے میرؔ ملک اپنی

پر داغ سینہ مہر فرمان ہے ہمارا

# جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا

کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

شرمندہ ترے رخ سے ہے رخسار پری کا

چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت

اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی

اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا

ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا

انصاف طلب ہے تری بیداد گری کا

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی پھر وہیں دیکھو

آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

صد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزرے

مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا

اس رنگ سے جھمکے ہے پلک پر کہ کہے تو

ٹکڑا ہے مرا اشک عقیق جگری کا

کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر

تھا دست نگر پنجۂ مژگاں کی تری کا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے

کیا یار بھروسا ہے چراغ سحری کا

# جو تو ہی صنم ہم سے بے زار ہوگا

جو تو ہی صنم ہم سے بے زار ہوگا

تو جینا ہمیں اپنا دشوار ہوگا

غم ہجر رکھے گا بے تاب دل کو

ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہوگا

جو افراط الفت ہے ایسا تو عاشق

کوئی دن میں برسوں کا بیمار ہوگا

اچٹتی ملاقات کب تک رہے گی

کبھو تو تہ دل سے بھی یار ہوگا

تجھے دیکھ کر لگ گیا دل نہ جانا

کہ اس سنگ دل سے ہمیں پیار ہوگا

لگا کرنے ہجران سختی سے سختی

خدا جانے کیا آخر کار ہوگا

یہی ہوگا کیا ہوگا میرؔ ہی نہ ہوں گے

جو تو ہوگا بے یار غم خوار ہوگا

# جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا

اس کی دیوار کا سر سے مرے سایہ نہ گیا

کاو کاو مژۂ یار و دل زار و نزار

گتھ گئے ایسے شتابی کہ چھڑایا نہ گیا

وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا

ہم سے ہی حال تباہ اپنا دکھایا نہ گیا

گرم رو راہ فنا کا نہیں ہو سکتا پتنگ

اس سے تو شمع نمط سر بھی کٹایا نہ گیا

پاس ناموس محبت تھا کہ فرہاد کے پاس

بے ستوں سامنے سے اپنے اٹھایا نہ گیا

خاک تک کوچۂ دل دار کی چھانی ہم نے

جستجو کی پہ دل گم شدہ پایا نہ گیا

آتش تیز جدائی میں یکایک اس بن

دل جلا یوں کہ تنک جی بھی جلایا نہ گیا

مہ نے آ سامنے شب یاد دلایا تھا اسے

پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا

زیر شمشیر ستم میرؔ تڑپنا کیسا

سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

جی میں آتا ہے کہ کچھ اور بھی موزوں کیجے

درد دل ایک غزل میں تو سنایا نہ گیا

# چمن میں گل نے جو کل دعوی جمال کیا

چمن میں گل نے جو کل دعوی جمال کیا

جمال یار نے منہ اس کا خوب لال کیا

فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر

برنگ سبزۂ نورستہ پائمال کیا

رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی

سو اس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا

مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف سے ہمدم

نہ کہہ کہ نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا

بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو

چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا

جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف

کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا

لگا نہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے

جو کچھ کہ میرؔ کا اس عاشقی نے حال کیا

# غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا

دل کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب

خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک

قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا

سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمے کو سیاہ

اس میں مجنوں کا مگر ماتم رہا

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا

تھا حرم میں لیک نامحرم رہا

زلفیں کھولیں تو تو ٹک آیا نظر

عمر بھر یاں کام دل برہم رہا

اس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے

اپنے حق میں آب حیواں سم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی

ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میرؔ

تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا



# دل بیتاب آفت ہے بلا ہے

دل بیتاب آفت ہے بلا ہے

جگر سب کھا گیا اب کیا رہا ہے

ہمارا تو ہے اصل مدعا تو

خدا جانے ترا کیا مدعا ہے

محبت کشتہ ہیں ہم یاں کسو پاس

ہمارے درد کی بھی کچھ دوا ہے

حرم سے دیر اٹھ جانا نہیں عیب

اگر یاں ہے خدا واں بھی خدا ہے

نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے

ہمارا گفتگو کا ڈھب جدا ہے

کوئی ہے دل کھنچے جاتے ہیں اودھر

فضولی ہے تجسس یہ کہ کیا ہے

مروں میں اس میں یا رہ جاؤں جیتا

یہی شیوہ مرا مہر و وفا ہے

صبا اودھر گل اودھر سرو اودھر

اسی کی باغ میں اب تو ہوا ہے

تماشا کردنی ہے داغ سینہ

یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا ہے

ہزاروں ان نے ایسی کیں ادائیں

قیامت جیسے اک اس کی ادا ہے

جگہ افسوس کی ہے بعد چندے

ابھی تو دل ہمارا بھی بجا ہے

جو چپکے ہوں کہے چپکے ہو کیوں تم

کہو جو کچھ تمہارا مدعا ہے

سخن کریے تو ہووے حرف زن یوں

بس اب منہ موند لے میں نے سنا ہے

کب اس بیگانہ خو کو سمجھے عالم

اگرچہ یار عالم آشنا ہے

نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر

پہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے

لگا میں گرد سر پھرنے تو بولا

تمہارا میرؔ صاحب سرپھرا ہے

# دو دن سے کچھ بنی تھی سو پھر شب بگڑ گئی

دو دن سے کچھ بنی تھی سو پھر شب بگڑ گئی

صحبت ہماری یار سے بے ڈھب بگڑ گئی

واشد کچھ آگے آہ سی ہوتی تھی دل کے تئیں

اقلیم عاشقی کی ہوا اب بگڑ گئی

گرمی نے دل کی ہجر میں اس کے جلا دیا

شاید کہ احتیاط سے یہ تب بگڑ گئی

خط نے نکل کے نقش دلوں کے اٹھا دیئے

صورت بتوں کی اچھی جو تھی سب بگڑ گئی

باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم

کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی

# یکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہ

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے

یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے

گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک

شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے

خانۂ دل سے زینہار نہ جا

کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے

نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا

شور اک آسماں سے اٹھتا ہے

لڑتی ہے اس کی چشم شوخ جہاں

ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے

سدھ لے گھر کی بھی شعلۂ آواز

دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو

جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم

جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے

کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

# رات گزرے ہے مجھے نزع میں روتے روتے

رات گزرے ہے مجھے نزع میں روتے روتے

آنکھیں پھر جائیں گی اب صبح کے ہوتے ہوتے

کھول کر آنکھ اڑا دید جہاں کا غافل

خواب ہو جائے گا پھر جاگنا سوتے سوتے

داغ اگتے رہے دل میں مری نومیدی سے

ہارا میں تخم تمنا کو بھی بوتے بوتے

جی چلا تھا کہ ترے ہونٹھ مجھے یاد آئے

لعل پائیں ہیں میں اس جی ہی کے کھوتے کھوتے

جم گیا خوں کف قاتل پہ ترا میرؔ زبس

ان نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

# رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے

دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے

پاس ناموس عشق تھا ورنہ

کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

وہی سمجھا نہ ورنہ ہم نے تو

زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے

اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں

یاں کبھو سرو و گل کے سائے تھے

کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے

کس توقع پہ دل لگائے تھے

فرصت زندگی سے مت پوچھو

سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے

میرؔ صاحب رلا گئے سب کو

کل وے تشریف یاں بھی لائے تھے

# عمر بھر ہم رہے شرابی سے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے

دل پرخوں کی اک گلابی سے

جی ڈھا جائے ہے سحر سے آہ

رات گزرے گی کس خرابی سے

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے

اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

برقعہ اٹھتے ہی چاند سا نکلا

داغ ہوں اس کی بے حجابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ

ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

# فقیرانہ آئے صدا کر چلے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے

کہ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم

سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی

کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

پڑے ایسے اسباب پایان کار

کہ ناچار یوں جی جلا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے

ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے

کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ

سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے

بہت آرزو تھی گلی کی تری

سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے

دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا

ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی

حق بندگی ہم ادا کر چلے

پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے

نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں

چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے

ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

گئی عمر در بند فکر غزل

سو اس فن کو ایسا بڑا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ

جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

# فلک کرنے کے قابل آسماں ہے

فلک کرنے کے قابل آسماں ہے

کہ یہ پیرانہ سر جاہل جواں ہے

گئے ان قافلوں سے بھی اٹھی گرد

ہماری خاک کیا جانیں کہاں ہے

بہت نا مہرباں رہتا ہے یعنی

ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے

ہمیں جس جائے کل غش آ گیا تھا

وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے

مژہ ہر اک ہے اس کی تیز ناوک

خمیدہ بھوں جو ہے زوریں کماں ہے

اسے جب تک ہے تیر اندازی کا شوق

زبونی پر مری خاطر نشاں ہے

چلی جاتی ہے دھڑکوں ہی میں جاں بھی

یہیں سے کہتے ہیں جاں کو رواں ہے

اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے

بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے

پڑا ہے پھول گھر میں کاہے کو میرؔ

جھمک ہے گل کی برق آشیاں ہے